انسانی حقوق قبل از ولادت: اسلامی نقطۂ نظر

عرفان خالد ڈھلوں*

کسی انسان کو یہ یاد نہیں ہے کہ دنیا میں جنم لینے سے پہلے اس نے ایک معین مدت رحم مادر میں گزاری ہے۔ مگر کوئی شخص اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ کسی چیز کا یاد نہ رہنا اس کے وجود سے انکار کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ اسی طرح کسی چیز کا نہ دیکھ سکنا اس کے عدم وجود پر دلیل نہیں ہو سکتی۔ ہمارے جنم لینے سے قبل کی دنیا کسی کو یاد نہیں ہے اور اُخروی زندگی ہم میں سے کسی نے دیکھی نہیں ہے۔ صرف یہ عالم رنگ و بو اور یہ محسوسات کی دنیا ہی ہماری نظر اور ہمارے ادراک میں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کے خالق اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تین دنیائیں بنائی ہیں۔

انسان کی تین دنیائیں:

انسان کی پہلی دنیا رحمِ مادر ہے جس میں انسان کی تخلیق مکمل ہوتی ہے۔ وہاں وہ اسے ہی اپنے لیے سب کچھ سمجھتا ہے۔ لیکن قدرت اسے اس دنیا سے نکال کر دوسری یعنی موجودہ دنیا میں لے آتی ہے۔ یہاں اسے بتایا جاتا ہے کہ آگے ایک اور دنیا جو ہمیشہ رہنے والی ہے، وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ لہٰذا انسان کو اس تیسری اور آخری دنیا میں بھیج دیا جاتا ہے۔ ہر بعد والی دنیا پہلی سے بہت بڑی ہے۔ ان تینوں دنیاؤں میں انسانی حقوق و فرائض کی صورتیں مختلف ہیں۔

دوسری یعنی موجودہ دنیا میں انسان کو عطا بھی کیا جاتا ہے اور اسے ادا بھی کرنا پڑتا ہے۔ مگر انسان کو عطا اَن گنت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ [الرحمن ۵۵:۱۳]

''اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

پہلی اور آخری دنیاؤں میں یہ مماثلت پائی جاتی ہے کہ وہاں انسان پر فرائض عائد نہیں ہوتے۔ رحمِ مادر کی دنیا میں انسان کو ملتا ہے۔ آخروی دنیا میں بھی انسان کو ملتا ہے مگر اُن اعمال کی جزا یا سزا کی صورت میں جو اس نے دنیوی حیات میں کیے تھے۔ اخروی دنیا اہل جنت اور اہل جہنم پر مشتمل ہوگی۔ اہلِ جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ﴾ [ق ۵۰:۳۵]

''وہاں انہیں ہر چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے، اور ہمارے پاس (ان کے لیے) اس سے بھی زیادہ بہت کچھ ہے۔''

اہل جہنم سے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور، پاکستان

﴿مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾[بنی اسرائیل/الاسراء ۹۷:۱۷]
''ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب کبھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔''

اسلامی قانون کی فوقیت وسبقت:

انسان کی پہلی دنیا یعنی رحمِ مادر میں بھی انسان پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ اسلام نے رحمِ مادر میں انسان کو کئی حقوق ضرور عطا کیے ہیں۔ اس حوالے سے مسلمانوں کے قانون کو دیگر قوانینِ اقوام پر فوقیت اور سبقت حاصل ہے۔

انجمن اقوامِ متحدہ (یو این او) نے 1959 میں پہلی بار بچوں کے حقوق کا اعلان کیا تھا۔ 1966 میں اقوامِ متحدہ (یو این) نے ولادت سے قبل انسانی حقوق پر قوانین وضع کیے تھے۔ 1969 میں انسانی حقوق پر امریکن کنونشن منعقد ہوا جس میں جنین کے حقوق متعین کیے گئے تھے۔ لاطینی امریکہ کے ۲۴ ممالک نے میثاق پر دستخط کیے تھے جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ انسان کو اپنی تخلیق کے ابتدائی مرحلہ سے حقوق حاصل ہیں۔ امریکہ (یو ایس اے) نے اس میثاق پر دستخط نہیں کیے تھے۔ اس معاہدہ کا لازمی مطلب یہ نہیں تھا کہ دستخط کرنے والے ممالک اپنے ہاں اسقاطِ حمل پر پابندی لگا دیں۔

جنین کے حقوق (Fetal Rights) کی اصطلاح 1973 میں اسقاطِ حمل کے ایک مشہور مقدمہ Roe v. Wade کے بعد عام ہوئی تھی۔ اس مقدمہ میں امریکی سپریم کورٹ نے قرار دیا تھا کہ آئینی طور پر عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حمل کی پہلی سہ ماہی (First trimester) میں اسقاطِ حمل کرا لے۔ وہ دوسری سہ ماہی کے دوران بھی اسقاط کرواسکتی ہے، لیکن ریاست اس حقِ اسقاط پر پابندی لگا سکتی ہے اگر عملِ اسقاط سے ماں کی صحت خطرے میں پڑ جائے۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ امریکی آئین کی چودھویں ترمیم کے تحت جنین (Fetus) ایک فرد (Person) نہیں ہے۔ البتہ عدالت عظمیٰ نے یہ بھی لکھا تھا کہ ریاست کو جنین کی زندگی کی حفاظت میں بھی دلچسپی ہے جب وہ بچہ دانی (Womb) سے باہر زندہ رہنے کے قابل ہو جائے۔ اس عدالتی فیصلہ کے بعد ریاستوں نے قانون بنایا کہ حمل کے چھ ماہ بعد اس کا اسقاط غیر قانونی ہے، سوائے اس کے کہ ایسا کرنا ضروری ہو(۱)۔

انسانوں کے حقوق محفوظ بنانے کے لیے ساری دنیا میں قوانین بنائے گئے ہیں، لیکن ان قوانین کو جنین کے تحفظ میں استعمال کرنے کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ مثلاً بعض ممالک کے قوانین میں جنین کو وراثت میں حصہ دیا گیا ہے، مگر یہ حق اسے ایک فرد مانتے ہوئے نہیں بلکہ مرنے والے کے احترام میں دیا گیا ہے(۲)۔ کئی اقوامِ عالم نے اسقاطِ حمل کو غیر قانونی قرار دیا تھا مگر جن ریاستوں میں اسقاطِ حمل غیر قانونی تھا وہاں اس کی سزا قتل کی سزا سے کم تھی(۳)۔

بعض قانونی ذہن حمل کو ایک فرد کے طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ قوانینِ عالم ایک کارپوریشن کو جو کہ بے جان شے ہے، اسے قانونی فرد (Legal Person) مانتے ہیں۔ بے جان کارپوریشن تو ایک طرف، دنیا کے قوانین میں بہت سے

جان رکھنے والے مگر غیر انسان اور غیر افراد مثلاً جانور وغیرہ کو بھی تحفظ حاصل ہے۔ اگر جنین ایک فرد نہیں بھی ہے تب بھی انسانی زندگی کے تحفظ میں جنین کے لیے اقدامات کرنا اور اسے بعض حقوق دینا ضروری ہیں۔ جنین محفوظ ہے اور اسے حقوق حاصل ہیں تو انسان محفوظ ہے اور انسان کے حقوق بھی محفوظ ہیں۔

اسلام نے نہ صرف انسان بلکہ حیوانات اور نباتات کے حقوق کو بھی قانونی حیثیت دی ہے، اور یہ سب کچھ اسلام نے چودہ سو برس قبل طے کر دیا تھا۔ اسلام نے انسان کی ولادت سے قبل ہی اسے تحفظ دیا اور اسے متعدد حقوق سے نوازا ہے۔

رحمِ مادر میں انسان کی اہلیت:

دنیا میں جنم لینے سے پہلے انسان ایک مدتِ معینہ کے لیے رحمِ مادر میں ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں حقوق و فرائض کے حوالے سے انسان کے لیے ناقص اہلیتِ وجوب ثابت ہوتی ہے۔ اس کے لیے حقوق تو ثابت ہوتے ہیں لیکن اس پر واجبات و فرائض نافذ نہیں ہوتے۔ یہ اہلیت انسان کی ولادت سے پہلے ہی اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جب انسان شکمِ مادر میں ہوتا ہے تو ایک لحاظ سے وہ جسمِ مادر کا ایک حصہ ہے۔ وہ ماں کے تحت ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے لیے ماں پر انحصار کرتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت نہیں کر سکتا۔ ماں کی حرکت اس کی حرکت ہے۔ مزید یہ کہ جنین کے کئی حواس (Senses) جنم سے پہلے اچھی طرح بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے ماحول حتیٰ کہ خارجی ماحول سے بھی رابطہ رکھتے ہیں، جیسے آوازیں اور روشنی وغیرہ۔ دوسرے اعتبار سے جنین اپنی ماں سے الگ ایک مستقل انسانی شخصیت رکھتا ہے۔ اس کا اپنا وجود اور زندگی ہے۔ وہ اپنی تکمیل کے بعد ماں سے علیحدہ ہو جائے گا۔ ولادت سے پہلے ہی انسان کے وہ حقوق ثابت ہو جاتے ہیں جن میں قبولیت کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسے میراث اور وصیت وغیرہ۔ لیکن جن حقوق میں قبولیت ضروری ہے، جیسے بیع اور ہبہ وغیرہ تو یہ انسان کی ولادت سے پہلے اس کے لیے ثابت نہیں ہوتے۔

رحمِ مادر میں جنین کی ارتقائی تخلیق:

اپنی ولادت سے قبل انسان ماں کے رحم میں ہوتا ہے جہاں اس کی تخلیق کے تمام مراحل تکمیل پاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾[النجم ۵۳:۳۲]

''وہ (اللہ) تمہیں اس وقت سے خوب جانتا ہے، جب اس نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے۔''

مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ رحمِ مادر میں انسان جس حالت میں ہوتا ہے وہ جنین کہلاتی ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغوی طور پر ہر وہ چیز جو پسِ پردہ ہو اور آنکھ کو نظر نہ آئے جنین ہے۔ اسی سے اسم جِنّ نکلا ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی

نظروں سے اوجھل اور پوشیدہ رہتے ہیں۔ و منہ سمی الجنین لإستتارہ فی بطن أمہ...... والجنین الولد مادام فی بطن أمہ لإستتارہ فیہ (۴)، اسی سے اسم جنین ہے۔ وہ بھی شکمِ مادر میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ جب تک بچہ شکم مادر میں پوشیدہ رہتا ہے جنین کہلاتا ہے۔ اس طرح ہر وہ چیز جو رحمِ مادر میں حمل ٹھہرنے کے وقت سے ولادت تک ارتقائی مراحل میں ہو، وہ جنین کہلاتی ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے پانی جب باہم مل جاتے ہیں تو اس سے بننے والے نطفہ سے جنین پیدا ہوتا ہے۔ علامہ آلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ) نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے: ان آدم مادام فی الرحم فھو جنین (۵) انسان جتنی مدت تک شکمِ مادر میں رہتا ہے، وہ جنین ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ رحمِ مادر میں جنین تین پردوں میں چھپا ہوتا ہے:

﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ [الزمر ۶:۳۹]

''وہ (اللہ ہی ہے جو) تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔''

امام طبریؒ (م ۳۱۰ھ) نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، تابعی عِکْرِمہؒ (م ۱۰۵ھ) اور تابعی مجاہدؒ (م ۱۰۳ھ) کے اقوال لکھے ہیں کہ ان تین پردوں (ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ) سے مراد ہے: پیٹ، رَحم اور مَشِیْمَہ یعنی وہ جھلی جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے (۶)۔ رحمِ مادر میں جنین کی مرحلہ وار تخلیق (خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ) کی تفصیل سورت الحج میں یوں آئی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ [الحج ۵:۲۲]

''لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد از موت میں کچھ بھی شک ہے تو (جان لو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ (اور یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کر دیں۔ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک خاص وقت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر ہم تمہیں ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں۔''

سورت المؤمنون میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ. ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ

اَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ﴾ [المؤمنون ۲۳:۱۲تا۱۴]

''ہم نے انسان کو مٹی کے سَت سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔''

ارتقائی تخلیق کے تین مراحل:

اوپر درج آیات کی روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ رحمِ مادر میں انسان پر سات مراحل گزرتے ہیں: مٹی کا ئنت، پھر نُطفہ، پھر عَلَقہ، پھر مُضغہ، پھر ہڈیاں، پھر گوشت اور پھر ایک دوسری ہی مخلوق بنادی جاتی ہے۔ البتہ رحمِ مادر میں جنین کی ارتقائی تخلیق کے تین بڑے مراحل یہ ہیں:

ا۔ پہلا مرحلہ: نُطْفَةٌ: ٹپکی ہوئی بوند:

مرد اور عورت کے پانی باہم مل جانے سے بننے والے نطفہ سے جنین پیدا ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت حضرت انسؓ سے مروی ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فَاِذَا سَبَقَ مَآءُ الرَّجُلِ مَآءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَاِذَا سَبَقَ مَآءُ الْمَرْأَةِ مَآءَ الرَّجُلِ نَزَعَتِ الْوَلَدَ''(۷)

''جب مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ پر غالب آ جائے تو بچہ باپ کی صورت پر ہوتا ہے اور اگر عورت کا نطفہ مرد کے نطفہ پر غالب آ جائے تو بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔''

نُطفہ کی حرمت وحفاظت:

نطفہ کی حرمت وحفاظت کے متعلق اسلام کے احکام کیا ہیں، اسے جاننے کے لیے زیرِ غور مسئلہ کو دو صورتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

ا۔ رحمِ مادر سے باہر نطفہ کی حرمت وحفاظت

۲۔ رحمِ مادر میں نطفہ کی حرمت وحفاظت

رحمِ مادر سے باہر نُطفہ کی حرمت وحفاظت:

اس مرحلہ پر نطفہ کی حُرمت وحفاظت ثابت ہے یا نہیں، اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف عَزْل (مادۂ منویہ کو بیوی کی شرمگاہ سے باہر گرانا) کے جواز اور عدمِ جواز میں ہے۔ اکثر صحابہ کرامؓ اور جمہور فقہاء اسے جائز قرار دیتے

ہیں۔بعض کے نزدیک ایسا کرنا حرام اور بعض کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔

امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن حزمؒ کہتے ہیں: یحرم العزل (۸) یعنی عزل کرنا حرام ہے۔ان کی دلیل ایک حدیث ہے جس کی راویہ حضرت جدامہ بنت وھبؓ ہیں۔آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے عزل کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذٰلِکَ الْوَأْدُ الْخَفِیُّ (۹) یہ پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔اس حدیث کے ایک راوی عبید اللہ نے مقری سے روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَهِیَ وَ إِذَا الْمَوْءُ دَةُ سُئِلَتْ (۱۰)، یہی ہے وہ الْمَوْءُ دَةُ جس کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔واْد کا مطلب ہے زمین میں زندہ گاڑنا۔زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی بیٹیوں کو پیدائش پر زمین میں زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔الْمَوْءُ دَةُ سے مراد زمین میں زندہ گاڑی جانے والی لڑکی ہے۔اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو واْد فرمایا ہے۔گویا عزل بھی اولاد کو واْد کی طرح ضائع کرنا ہے۔اولاد نطفہ سے پیدا ہوتی ہے۔جس نے عزل کر کے اپنا نطفہ ضائع کر دیا، اس نے گویا اپنی اولاد ضائع کی۔

جمہور فقہاء کے نزدیک اگر عزل بیوی کی اجازت کے بغیر عزل ہو تو یہ مکروہ ہے۔لیکن اگر ایسا کرنا بیوی کی رضامندی سے ہو تو یہ جائز ہے۔فقہاء نے لکھا ہے: لا یجوز العزل عن الحرة إلا بإذنها (۱۱) یعنی آزاد عورت یعنی بیوی کی اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں ہے۔عزل کے لیے بیوی کی اجازت و رضامندی کا ہونا مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہے جسے حضرت عمرؓ نے روایت کیا ہے۔

"نَهَی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَعْزِلَ عَنِ الْحُرَّةِ إِلَّا بِإِذْنِهَا" (۱۲)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا تھا کہ آزاد عورت (یعنی بیوی) کی اجازت کے بغیر عزل کیا جائے۔"

کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

"ویکره للزوج أن يعزل عن إمرأته الحرة بغير رضاها، لأن الوطءَ عن إنزال سبب لحصول الولد، ولها في الولد حق، وبالعزل يفوت الولد،فكأنه سببا لفوات حقها،وإن كان العزل برضاها لا يُكره لأنها رضيتْ بفوات حقها، ولما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: اعْزِلُوْهُنَّ أَوْ لاَ تَعْزِلُوْهُنَّ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى إِذَا أَرَادَ خَلْقَ نَسْمَةٍ فَهُوَ خَالِقُهَا" (۱۳)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ خاوند کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر اس سے عزل کرے۔اس لیے کہ جسمانی تعلق قائم کرنے سے نزال ہونا بچہ پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے۔بچہ کے معاملہ میں بیوی کا بھی حق

ہے۔عزل کرنے سے بچہ سے متعلق اس کا حق فوت ہو جاتا ہے۔یوں عزل بیوی کا حق فوت کرنے کا سبب بنتا ہے۔لیکن اگر عزل بیوی کی رضا مندی سے ہے تو پھر ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ وہ خود اپنا حق فوت ہو جانے پر راضی ہے۔روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **اعْـزِلُـوْهُـنَّ أَوْ لاَ تَـعْـزِلُـوْهُـنَّ إِنَّ الـلّٰـهَ تَعَالَى إِذَا أَرَادَ خَلْقَ نَسْمَةٍ فَهُوَ خَالِقُهَا**: بیویوں سے عزل کرو یا نہ کرو، اللہ تعالیٰ جب کسی روح کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمالیں تو وہ پیدا ہو جائے گی۔

ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) نے لکھا ہے:

''لا خلاف بين الفقهاء انه لا يعزل عن الزوجة الحرة إلا بإذنها لأن الجماع من حقها وليس الجماع المعروف إلا ما لا يلحقه عزل.'' (۱۴)

ابن عبدالبرؒ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء کا اس پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بیوی کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کیا جائے گا۔اس لیے کہ جماع بیوی کا حق ہے اور عرف میں جماع وہی ہے جس میں عزل نہ ہو۔

جو فقہاء عزل کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ بھی سنّت سے دلائل لاتے ہیں۔حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: میرے پاس ایک لونڈی ہے جس سے میں صحبت کرتا ہوں، مگر میں اس کا حاملہ ہونا پسند نہیں کرتا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهٗ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا''

''اگر تم چاہو تو اس سے عزل کرو، جو قسمت میں ہوگا وہ پیدا ہو جائے گا۔''

وہ شخص کچھ مدت کے بعد پھر آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! وہ باندی حاملہ ہوگئی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهٗ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا.'' (۱۵)

''میں نے تو پہلے ہی بتادیا تھا کہ جو قسمت میں ہوگا وہ پیدا ہو جائے گا۔''

حضرت جابرؓ کا قول ہے:

''كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ ﷺ فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ(۱۶)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم عزل کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی خبر پہنچی لیکن آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔''

معلوم ہوا کہ عزل کے جواز اور عدم جواز کے حامی فقہاء دونوں نے احادیث سے استدلال کیا ہے۔البتہ یہ فقہی رائے راجح معلوم ہوتی ہے کہ عزل میں بیوی کی رضامندی شامل ہونی چاہیے۔

رحمِ مادر میں نُطفہ کی حرمت وحفاظت:

رحم مادر میں نطفہ پہنچ جانے کے بعد یعنی عَلَقہ بننے سے پہلے نُطفہ کا اسقاط مکروہ ہے کیونکہ اب یہ رحمِ مادر میں قرار پا

گیا ہے۔رحم میں مرد اور عورت کے پانی باہم مل جانے سے بننے والے نطفہ میں وہ حیات ہوتی ہے جو اس کی نمو کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ نکاح کا مقصدِ حقیقی افزائشِ نسلِ انسانی ہے۔اگر مادرِ رحم میں نطفہ قرار پا جانے کے بعد اس کا اسقاط کرا دیا جائے تو ایسا کرنے سے نکاح کا حقیقی مقصد، یعنی حصولِ اولاد، فوت ہو جاتا ہے۔

حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک عورت ملی ہے جو خوبصورت بھی ہے اور خاندانی بھی لیکن وہ اولاد کے قابل نہیں ہے، کیا میں اس سے شادی کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ وہ دوسری مرتبہ آیا اور آپ نے اسے منع فرما دیا۔ وہ تیسری مرتبہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا:

''تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّی مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ'' (۱۷)

''ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو شوہر سے محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد دینے والی ہو، تمہاری کثرت کی بنا پر میں گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں تم پر فخر کروں گا۔''

البتہ اس مرحلہ میں نطفہ کا اسقاط حرام نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ابھی اس کی خلقت نہیں ہوئی، اس میں انسانی خدوخال واضح نہیں ہوئے اور نہ اس میں روح موجود ہے۔ اس پہلے مرحلہ میں نطفہ محض خون ہے اور اس کا اسقاط محض خون کا اسقاط ہے۔

۲۔ دوسرا مرحلہ: عَلَقَةٌ: خون کا لوتھڑا:

دوسرے مرحلہ میں نُطفہ عَلَقَہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ عَلَقَہ جما ہوا خون ہے۔ اس سے انسانی تخلیق کا آغاز ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ [العلق ۹۶:۲]

''اللہ تعالیٰ نے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔''

۳۔ تیسرا مرحلہ: مُضْغَةٌ: گوشت کی بوٹی:

اس تیسرے مرحلہ میں عَلَقَہ گوشت کے قالب میں ڈھل جاتا ہے جو مُضغہ (گوشت کی بوٹی) کہلاتا ہے۔ اس کی بھی دو حالتیں ہیں:

۱۔ مُضْغَةٍ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ: اس حالت میں مُضغہ ابھی بے شکل ہوتا ہے اور اس میں انسانی خدوخال واضح نہیں ہوئے ہوتے۔

۲۔ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ: پھر مُضغہ اس حالت کو پہنچ جاتا ہے جس میں اس کے اندر انسانی شکل وصورت اور خدوخال نمایاں ہو چکے ہوتے ہیں۔

عَلَقَہ اور مُضغہ کی حرمت وحفاظت:

رحمِ مادر میں جب انسانی تخلیق کا موادعَلَقَہ اور پھر مُضغہ بن جاتا ہے تو اس مرحلہ میں عَلَقَہ اور مُضغہ کو انسان نہیں قرار دیا جاسکتا۔امام جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) نے لکھا ہے:

"قوله تعالى: [مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ] ظاهره يقتضي أن لا تكون المضغة إنسانا كما اقتضى ذلك في العلقة والنطفة والتراب، وإنما نبّهنا بذلك على اتمام قدرته ونفاذ مشيئته حين خلق إنسانا سويّا مُعدّلا بأحسن التعديل من غير إنسان وهي المضغة والعلقة والنطفة التي لا تخيط فيها ولا تركيب ولا تعديل الأعضاء،فاقتضى أن تكون المضغة إنسانا كما أن النطفة والعلقة ليستا بإنسان، وإذا لم تكن إنسانا لم تكن حملا." (۱۸)

مندرجہ بالاعبارت کا حاصل یہ ہے کہ قولِ باری تعالیٰ کا ظاہر اس بات کا متقاضی ہے کہ مُضغہ یعنی گوشت کی بوٹی کو انسان نہ کہا جائے، جس طرح عَلَقَہ، نُطفہ اور تُراب کی حالتوں کو انسان نہیں کہا جاتا۔رحمِ مادر میں تخلیقِ جنین کے ان مراحل کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور اپنے ارادہ کے نفاذ سے آگاہ کیا ہے۔وہ یہ کہ نُطفہ، عَلَقَہ اور مُضغہ جو کسی طور سے انسان نہیں ہوتا، نہ اس میں کوئی ترکیبِ اعضاء ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی شکل ہوتی ہے، اسے ایک متناسب الأعضاء انسان پیدا فرما دیا۔یہ امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جس طرح نُطفہ اور عَلَقَہ انسان نہیں ہیں، اسی طرح مُضغہ کو بھی انسان قرار نہ دیا جائے۔جب یہ انسان نہیں ہے تو پھر یہ حمل بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) مزید کہتے ہیں: ما لم يظهر فيه شيء من خلق الإنسان فليس بحمل (۱۹)، جب تک انسانی خلقت کا ظہور نہ ہو جائے اس وقت تک یہ حمل نہیں کہلا سکتا۔مُضغہ جب حمل نہیں ہے، انسان نہیں ہے تو پھر اس کا اسقاط جائز ہے۔اگر کسی کے مجرمانہ عمل سے مُضغہ ساقط ہو جائے تو مجرم پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

جنینِ انسان کا درجہ اس وقت پاتا ہے جب اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جب شکمِ مادر میں انسان اپنی تخلیق کے ۱۲۰ دن پورے کر چکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ اس کی طرف بھیجا جاتا ہے جو اس کے جسم میں روح پھونکتا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سچے اور سچے کیے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ اَحَدَکُمْ یُجْمَعُ خَلْقُهُ فِی بَطْنِ اُمِّهِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا ثُمَّ یَکُوْنُ فِی ذٰلِکَ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَکُوْنُ فِی ذٰلِکَ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یُرْسَلُ الْمَلَکُ فَیَنْفَخُ فِیْهِ الرُّوْحَ." (۲۰)

"بیشک تم میں سے ہر ایک کا نطفہ اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک جمع رہتا ہے، پھر وہ چالیس دن میں عَلَقَہ یعنی لہو کی پھٹکی ہو جاتا ہے، پھر وہ چالیس دن میں مُضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔''

یہ حدیث طویل ہے اور اس کا ابتدائی حصہ جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے، اوپر نقل کر دیا گیا ہے۔ اس حدیث کے متن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عملِ تخلیق میں انسان کی ابتدائی شکل نُطفہ (ٹپکی ہوئی بوند) کی عمر چالیس دن ہوتی ہے، پھر وہ عَلَقہ (خون کا لوتھڑا) بن جاتا ہے اور چالیس دن تک ٹھہرا رہتا ہے، پھر وہ مُضغہ (گوشت کی بوٹی، جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی) کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس پر چالیس روز گزرتے ہیں۔ یوں ۱۲۰ دن پورے ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فرشتہ آتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تنہا فرشتے کے پھونک مارنے سے جنین میں روح پیدا ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے کو روح دے کر بھیجا جاتا ہے۔ وہ فرشتہ آکر جنین میں روح داخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اور اس فرشتہ کی پھونک سے جنین میں روح پیدا ہوتی ہے۔

حضرت حُذیفہ بن اَسید غِفاریؓ سے مروی ایک روایت میں چالیس دن کے بجائے چالیس راتیں بھی آیا ہے (۲۱)

مندرجہ بالا نص سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکمِ مادر میں پڑے ہوئے وجودِ انسانی میں ۱۲۰ دن سے پہلے روح نہیں ہوتی اور ۱۲۰ دن کے بعد جب اس میں روح پڑ جاتی ہے تو وہ انسانی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ جس میں روح نہ ہو وہ زندہ نہیں ہوتا۔ روح سے انسان کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا تعین ہوتا ہے۔ روح سے پہلے یا اس کے بغیر بھی وہ انسان ہی ہے مگر زندہ نہیں ہے۔ اسے زندہ ہونے کا درجہ روح سے ملتا ہے۔ جس میں روح نہ ہو اس کے زندہ نہ ہونے کی تائید میں ایک دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰیٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴾ [الزمر ۳۹:۴۲]

''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقتِ مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔''

حمل چھپانے کی ممانعت:

اسلام یہ امر یقینی بناتا ہے کہ تخلیقِ انسانی کے ابتدائی مرحلہ یعنی حمل ٹھہر جانے کی حقیقت کو چھپایا نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں جو کچھ تخلیق فرمایا ہے اسے مت چھپائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّکْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ کُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾

''اوران عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہوا سے چھپائیں۔ انہیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے، اگر وہ اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتی ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:

''ولا يحل لهن ان يكتمن ما خلق الله في أرحامهن، من الحيض والحمل، لا يحل لها إن كانت حائضا أن تكتم حيضها، ولا يحل لها إن كانت حاملا أن تكتم حملها.'' (۲۲)

حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے رحموں میں حیض یا حمل میں سے جو بھی تخلیق فرمایا ہے اسے چھپانا عوتوں کے لیے جائز نہیں ہے۔ ایک عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ اگر وہ حائضہ ہے تو اپنا حیض چھپائے، اور اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اگر وہ حاملہ ہے تو اپنا حمل چھپائے۔

مجاہدؒ (م۱۰۳ھ) کہتے ہیں:

''أن لا تقول: إني حائض و ليست بحائض، ولست بحائض، وهي حائض، ولا اني حبلى، ليست بحبلى، ولا لست بحبلى وهي حبلى.'' (۲۳)

''یعنی عورت یہ نہ کہے: میں حائضہ ہوں، حالانکہ وہ حائضہ ہو، اور نہ یہ کہے کہ میں حائضہ نہیں ہوں حالانکہ وہ حائضہ ہو۔ اسی طرح وہ یہ بھی نہ کہے کہ میں حاملہ ہوں، حالانکہ وہ حاملہ نہ ہو، اور وہ یہ بھی نہ کہے: میں حاملہ نہیں ہوں، حالانکہ وہ حاملہ ہو۔''

امام بغویؒ (م۵۱۶ھ) نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، قتادہؒ (م۱۱۷ھ) اور عکرمہؒ (م۱۰۷ھ) کے اقوال نقل کیے ہیں کہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے رحم میں حیض یا حمل تخلیق کیا ہوا سے چھپائے تا کہ ایسا کر کے وہ شوہر کا حق رجوع اور بچے کا والد ہونے کا حق باطل کر دے (۲۴)۔

قتادہؒ (م۱۱۷ھ) کہتے ہیں:

''كانت المرأة إذا طُلّقت كتمت ما في بطنها وحملها لتذهب بالولد إلى غير أبيه، فكره الله ذلك لهن.'' (۲۵)

یعنی جب ایک عورت کو طلاق مل جاتی تو وہ اپنا حمل چھپاتی تھی تا کہ وہ اس حمل کے ساتھ وہ اپنے نئے شوہر کے پاس چلی جائے۔ نیا شوہر اس حمل کا والد نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حاملہ مطلقہ عوتوں کا یہ عمل ناپسند فرمایا۔

امام قرطبیؒ (م۶۷۱ھ) نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

'' قوله تعالى: [إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ] هذا وعيد عظيم شديد لتأكيد تحريم الكتمان، وإيجاب لأداء الأمانة في الإخبار عن الرحم بحقيقة ما فيه، أي فسبيل المؤمنات ألا

یکتمن الحق، ولیس قوله: ((إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ)) على أنه أبيح لمن لا يؤمن أن يكتم، لأن ذلک لا يحل لمن لا يؤمن، وإنما هو قولک: إن كنت أخي فلا تظلمني، أي فينبغي أن يحجزک الإيمان عنه، لأن هذا ليس من فعل أهل الإيمان" (۲٦)

امام قرطبیؒ کے اوپر درج قول کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ (اگر وہ اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتی ہیں) اس آیت میں ایک بڑی وعید اور سخت تاکید ہے کہ حمل چھپانا حرام ہے اور اس بارے میں حقیقت سے آگاہ کرنا واجب ہے۔ مسلمان عورتوں کا طرزِ عمل تو یہی ہے کہ وہ حق نہ چھپائیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ (اگر وہ اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتی ہیں) سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو عورتیں مسلمان نہیں ہیں ان کے لیے حمل چھپانا مباح ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے: اگر تم میرے بھائی ہو تو مجھ پر ظلم نہ کرو۔ یعنی ایمان تمہیں ایسا کرنے سے روکتا ہے۔ یہ فعل اہل ایمان کا نہیں ہے۔

حمل کو چھپانا کسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے، اور ایک مسلمان عورت کے لیے تو اور زیادہ تاکید ہے کہ وہ اپنے حمل کو نہ چھپائے۔

جنین کی زندگی کا تحفظ:

جب جنین پر ۱۲۰ دن گزرنے کے بعد اس میں روح پڑ جاتی ہے تو اب وہ انسان ہے۔ اس کی جان کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے۔ کسی بھی انسان کا قتل شرعی طور پر حرام ہے۔ جب جنین میں روح پڑ جائے تو پھر جنین کا بلا عذر اور مجرمانہ اسقاط حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

"أَنَّ امْرَأَتَيْنِ مِنْ هُذَيْلٍ رَمَتْ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى فَطَرَحَتْ جَنِينَهَا فَقَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ" (۲۷)

"قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں نے ایک دوسری کو پتھر مارا جس سے ایک کا حمل گر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام یا ایک لونڈی تاوان میں دینے کا فیصلہ فرمایا۔"

مندرجہ بالا نص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر حمل کو بغیر کسی شرعی و قانونی عذر کے مثلاً ڈاکٹر کے مشورہ کے بغیر اسے گرایا گیا تو یہ فعل جرم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جرم قرار دیا ہے اور اس کے مجرم پر تاوان لازم کیا ہے۔

اگر جنین کی شکل بن چکی ہو لیکن میں ابھی روح نہ پڑی ہو اور اس کی عمر ۱۲۰ دنوں سے کم ہے تو اس صورت میں اس کے اسقاط پر فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء اسے حرام کہتے ہیں۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ [المائدة۵:۳۲]

"جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔"

اگر جنین اپنی ابتدائی حالت میں یعنی نطفہ ہے تو اس کا اسقاط بھی جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ ماہر ڈاکٹروں کی رائے سے ایسا کرنا ضروری ہو اور اسقاط کے بغیر ماں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔ اسقاط کو جائز قرار دینے کے لیے کسی ایک ڈاکٹر کی رائے کافی نہیں ہے۔ یہ احتمال ہے کہ ایک ڈاکٹر اسقاط ضروری سمجھے اور دوسرا اسے ضروری نہ سمجھے۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا ہے کہ ماہر ڈاکٹروں کی جماعت سے رائے لی جائے تاکہ اسقاط ضروری ہے یا نہیں۔

اسلام قبل از ولادت انسانی جان کی اتنی حفاظت کرتا ہے کہ زنا کے نتیجے میں ٹھہرنے والے حمل کا اسقاط بھی حرام قرار دیتا ہے۔ اگرچہ یہ حمل نکاح کے بجائے زنا کا نتیجہ ہے مگر اس میں جنین کا کوئی جرم نہیں ہے۔ اسے جرمِ زنا کی سزا میں ساقط نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کا ایک واضح اصول ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ [الإسراء/ بنی اسرائیل ۱۵:۱۷]

''کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت نے زنا کا اقرار کیا۔ وہ عورت حاملہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وہ عورت رجم کر دی گئی تھی مگر اس کا حمل ساقط کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ وضعِ حمل اور رضاعت کے بعد اسے رجم کیا گیا تھا۔ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے عبداللہ بن ابی مُلَیکہؒ کی یہ روایت نقل کی ہے:

''أَنَّ امْرَأَةً جَآءَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا زَنَتْ وَهِيَ حَامِلٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِذْهَبِيْ حَتَّى تَضَعِيْ فَلَمَّا وَضَعَتْهُ جَآءَتْهُ، فَقَالَ: إِذْهَبِيْ حَتَّى تُرْضِعِيْهِ فَلَمَّآ أَرْضَعَتْهُ جَآءَتْهُ، فَقَالَ: إِذْهَبِيْ فَاسْتَوْدِعِيْهِ، قَالَ: فَاسْتَوْدَعَتْهُ ثُمَّ جَآءَتْهُ فَأَمَرَبِهَا فَرُجِمَتْ''(۲۸)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میں نے زنا کیا ہے۔ وہ عورت حاملہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بچے کو جنم دے لو تو آنا۔ بچہ جنم دینے کے بعد وہ عورت آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دودھ چھڑا لو تو پھر آنا۔ وہ بچے کا دودھ چھڑا کر پھر آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بچے کو کسی اور کے سپرد کر آؤ۔ وہ بچے کو کسی کے سپرد کر کے آ گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور وہ عورت رجم کر دی گئی۔''

اسلام جنین کا احترام لازمی قرار دیتا ہے۔ جنین کو پیوند کاری کی مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ جنین کی حرمت و احترام سے متعلق اسلام کے موقف کی وضاحت مسلمانوں کے عالمی فقہی ادارہ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے ایک فیصلہ سے ہوتی ہے۔ اس ادارہ نے ۱۹۹۱ء میں یہ قرار دیا تھا:

دوسرے انسان کے مطلوبہ اعضاء کی پیوندکاری کے لیے کسی جنین کو استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، البتہ بعض

حالات میں کچھ اصول وضوابط کی پیوند کاری کے ساتھ ایسا کیا جا سکتا ہے:

۱۔ کسی دوسرے انسان کے اعضاء کی پیوند کاری میں کسی جنین کو استعمال میں لینے کی غرض سے اسقاط کرانا جائز نہیں ہے۔ پیوند کاری کے اس عمل کو صرف اس جنین تک محدود رکھا جائے گا جو بلا قصد کے طبعی طور پر خود بخود ساقط ہو جائے، یا جس کا اسقاط شرعی عذر کی وجہ سے کیا جائے۔ جنین نکلوانے کے لیے عمل جراحی کی کارروائی اس وقت تک نہیں کی جائے گی جب تک ماں کی زندگی بچانے کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہ ہو۔

۲۔ اگر جنین کی زندگی برقرار رکھنے کے قابل ہے تو اس صورت میں تمام تر طبی علاج اس کی زندگی کی بقا اور اس کی حفاظت کے لیے وقف رہے گا۔ اعضاء کی پیوند کاری کے لیے اس سے فائدہ اٹھانے کی خاطر طبی کارروائی جائز نہیں ہے۔ اگر وہ جنین زندگی برقرار رکھنے کے قابل نہیں ہے تو اس سے استفادہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کوئی ایک صورت نہ پائی جائے:

۱۔ جنین خود بخود گر گیا ہو

۲۔ جنین جسے کسی طبی ضرورت کی وجہ سے یا کسی جرم کے ارتکاب کی نتیجے میں گرایا گیا ہو

۳۔ جس کی پرورش رحمِ مادر سے باہر کی گئی ہو (۲۹)۔

جنین کی زندگی کو ایک اور پہلو سے بھی تحفظ دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جنین کے قاتل کو جنین سے ملنے والی میراث سے محروم کر دیا جائے گا۔ اسلامی قانون میں قاتل کو میراث سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْقَاتِلُ لاَ یَرِثُ (۳۰)

قاتل وارث نہیں ہوتا۔

قاتل کو میراث سے اس لیے محروم کر دیا جائے گا تاکہ کوئی شخص میراث جلد حاصل کرنے کے لیے مورث کی زندگی کے درپے نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جنین کو قتل کر دے تو وہ بھی جنین کی میراث سے محروم کر دیا جائے گا۔

ماں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے رحم میں پرورش پانے والے جنین کی صحت و زندگی کی حفاظت کرے۔ اگر ماں مجرمانہ طور پر کوئی ایسی چیز کھا یا پی لے جس سے جنین ساقط ہو جائے تو ماں کا یہ فعل جرم ہے اور اسے دو تعزیروں کا سامنا کرنا ہوگا۔ ایک یہ کہ وہ جنین کی میراث سے محروم کر دی جائے گی اور دوسری سزا یہ کہ اسے تاوان لازمی ادا کرنا ہوگا۔

اسی طرح اگر باپ کے کسی مجرمانہ فعل سے جنین ساقط ہو جاتا ہے تو اس پر بھی تاوان لازم ہوگا اور وہ جنین کی وراثت سے محروم کر دیا جائے گا۔

اسلام کی تعلیمات میں سے ہے کہ میت کی حرمت بھی زندہ انسان کی طرح ہے۔اگر کسی نے میت کی بے حرمتی کی تو اسے زندہ انسان کی بے حرمتی مانا جاتا ہے۔جس طرح زندہ شخص کے اعضاء کو بلاوجہ نقصان پہنچانا گناہ اور مستوجب سزا ہے اسی طرح میت کے کسی عضو کو بلاوجہ نقصان پہنچانا بھی گناہ اور جرم ہے۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کَسْرُ عِظَامِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِ عَظْمِ الْحَيِّ فِي الإِثْمِ'' (۳۱)

''میت کی ہڈیاں توڑنا، زندہ شخص کی ہڈی توڑنے کی طرح گناہ ہے۔''

لیکن کسی شرعی وقانونی ضرورت، جیسے پوسٹ مارٹم وغیرہ، کے تحت میت کے جسم پر عملِ جراحت کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اگر حاملہ عورت کا انتقال ہو جائے اور اس بات کا غالب گمان ہو کہ اس کے پیٹ میں موجود جنین زندہ ہے تو مردہ ماں کا پیٹ چاک کر کے جنین کی زندگی بچالی جائے گی۔مشہور فقیہ ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

''ويحتمل أن يشق بطن الأم إن غلب على الظن أن الجنين حيا وهو مذهب الشافعي لأنه إتلاف جزء من الميت لإبقاء حي فجاز كما لو خرج بعضه حيا ولم يمكن خروج بقيته إلا بشق ولأنه يشق لإخراج المال منه فلإبقاء الحي أولى'' (۳۲)

اس فقہی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر حاملہ مر جائے،جنین کے زندہ ہونے کا غالب گمان ہو تو اسے نکالنے کے لیے ماں کا پیٹ چاک کیا جاسکتا ہے۔یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔اس میں میّت کا جزوی نقصان تو ہے لیکن اس میں جنین کی زندگی کی بقاء ہے۔یہ اسی طرح جائز ہے جیسے جنم کے وقت بچہ کچھ باہر آ گیا ہو اور اس کا بقیہ جسم باہر لانے کے لیے آپریشن کیا جاتا ہے۔اس طرح زندہ کی بقاء کو ترجیح دی جاتی ہے۔

جنین کی صحت کا تحفظ:

جنین کا یہ بھی حق ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کی جائے۔شریعتِ اسلامیہ یہ ذمہ داری باپ اور ماں دونوں پر عائد کرتی ہے۔باپ پر لازم ہے کہ وہ جنین کی ماں کی خوراک وغیرہ کا خیال رکھے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق ۶:۶۵]

''ان کو (زمانۂ عدت میں) اسی جگہ پر رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو۔اور انہیں تنگ کرنے کے لیے ان کو نہ ستاؤ۔اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو جب تک ان کا وضعِ حمل نہ ہو جائے۔''

اسلام جنین کی صحت یقینی بناتا ہے۔دیگر مقاصد کے علاوہ یہ مقصد بھی حاصل کرنے کے لیے اسلام نے تمام نشہ

آوراشیاء حرام کردی ہیں۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ایک حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

''كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَّ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ'' (۳۳)

''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ حرام ہے۔''

ماں پر لازم ہے کہ دورانِ حمل وہ کوئی ایسی چیز نہ کھائے جس سے جنین کو نقصان پہنچے۔اگر ماں دورانِ حمل جان بوجھ کر نشہ آور یا کوئی ایسی چیز کھائے جس سے جنین کو نقصان پہنچے تو اس کی ذمہ داری ماں پر ہوگی۔ڈاکٹر بھی کوئی ایسی چیز دوا کے طور پر تجویز نہیں کر سکتے جو جنین کی زندگی کے لیے مضر ہو۔

اگر جنین کی صحت متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو شریعتِ اسلامیہ نے ماں کو ماہِ رمضان میں روزہ مؤخر کرنے کی اجازت دی ہے۔حضرت انس بن مالک کعبیؓ (یہ وہ انس بن مالکؓ نہیں ہیں جو خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَعَنِ الْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ'' (۳۴)

''اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا ہے آدھی نماز کو مسافر کے لیے اور روزے کو حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لیے۔''

اگر کسی جرم کے ارتکاب میں ماں پر بدنی سزا مثلاً قصاص یا حد واجب ہو جائے تو بچے کی ولادت اور ولادت کی تکلیف سے نجات تک ماں پر سزا کا نفاذ مؤخر رہے گا، خواہ یہ جائز حمل ہو یا زنا کا نتیجہ ہو۔یہ اس لیے ہے کہ جنین کی صحت کو نقصان نہ پہنچے۔ اس بات پر اجماع ہے۔ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں: **ولأن هذا إجماع من أهل العلم ولا نعلم بينهم فيه خلافا** (۳۵)۔

امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے ایک روایت نقل کی ہے۔عبداللہ بن ابی مُلیکہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور کہا: میں نے زنا کیا ہے۔وہ عورت حاملہ تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اِذْهَبِیْ حَتّٰی تَضَعِیْ ، جب بچے کو جنم دے لو تو آنا۔جب اس نے بچہ کو جنم دے لیا تو پھر آئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذْهَبِیْ حَتّٰی تُرْضِعِيْهِ ، جب اس کا دودھ چھڑا چکو تو پھر آنا۔جب اس نے بچے کو دودھ پلانا بند کر دیا تو پھر آئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذْهَبِیْ فَاسْتَوْدِعِيْهِ ، بچہ کسی کے سپرد کر دو۔جب وہ بچے کو کسی کے سپرد کر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور وہ عورت رجم کر دی گئی (۳۶)۔

جنین کو نقصان پہنچانے پر سزا:

اگر کسی شخص کے فعل سے حاملہ خاتون کے جنین کو نقصان پہنچے، اس کا حمل ساقط ہو جائے اور جنین مردہ نکلے تو اس

شخص پرغُرّہ لازم ہے(۳۷)۔غُرّہ کی وضاحت آگے آرہی ہے۔جنین کے زندہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ پیدائش کے وقت اس میں زندگی کی کوئی علامت ظاہر ہو جائے جیسے رونا، چیخ مارنا، حرکت کرنا، سانس لینا یا چھینک لینا وغیرہ۔ان صورتوں میں جنین زندہ تصور کیا جائے گا۔

اگر جنین کی ولادت کے بعد اس میں کوئی علامتِ زندگی مثلاً چیخنا یا چھینک لینا وغیرہ پائی گئی اور پھر مرگیا تو وہ اپنی پیدائش کے بعد زندہ قرار دیا جائے گا۔حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُودُ وُرِّثَ''(۳۸)

''جو بچہ پیدائش کے بعد روئے وہ وارث بنایا جائے گا۔''

ابن رشدؒ (م۵۹۵ھ) نے لکھا ہے:

''فذهب مالک واصحابه إلى أن علامة الاستهلال بالصياح أو البكاء، وقال الشافعي وابوحنيفة والثوري واكثر الفقهاء كل ما علمت به الحياة في العادة من حركة أو عطاس أو تنفس فأحكامه أحكام الحي'' (۳۹)

اوپر درج فقہی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) اور ان کے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ زندگی کی علامت چیخنا یا رونے کی آواز نکالنا ہے۔امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ)، امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ)، امام ثوریؒ (م......ھ) اور اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے عام طور پر زندگی کا علم ہو، جیسے حرکت کرنا، سانس لینا اور چھینک آنا وغیرہ ان سب سے مولود کا حکم زندہ شخص کا ہوگا۔

یہی رائے زیادہ واضح ہے۔اگر مرنے والے مولود میں علاماتِ زندگی میں سے کچھ ظاہر نہ ہو یا ان پر اختلاف ہو تو اس کی ولادت میں مدد کرنے والے افراد یا ڈاکٹروں کی ماہرانہ رائے سے فیصلہ کیا جائے گا۔

جیسا کہ اوپر درج ہوا کہ کسی کے مجرمانہ فعل سے جنین کے ساقط ہونے اور اس کے مردہ نکلنے پر مجرم پر غُرّہ لازم ہوگا۔غُرّہ کا لفظی معنی ہے: گھوڑے کی پیشانی پر ایک درہم کے برابر یا اس سے کچھ بڑا سفید نشان۔غُرّہ سے مراد ایک غلام یا ایک لونڈی ہے۔حنفی فقہاء کے نزدیک غُرّہ کی مقدار پانچ سو دراہم ہے۔جبکہ امام شافعیؒ کی رائے میں اس کی مقدار چھ سو دراہم ہے(۴۰)۔

اگر اسقاط کے نتیجہ میں مردہ جنم لینے والا بچہ لڑکا ہے تو ایک مردانہ دیت کے دسویں حصے کا نصف یعنی بیسواں حصہ دیت ہوگی۔اگر وہ لڑکی ہے تو زنانہ دیت کے دسویں حصہ کا نصف یعنی بیسواں حصہ دیت ہوگی۔دونوں صورتوں میں پانچ سو درہم تاوان ہے۔کیونکہ دس ہزار درہم کے دسویں حصہ کا نصف اور پانچ ہزار درہم کا دسواں حصہ مقدار میں شریک ہے۔اس

مقدار کے تعین کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی یہ حدیث ہے:

" قَضَی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی جَنِیْنِ اِمْرَأۃٍ مِنْ بَنِی لِحْیَانٍ بِغُرَّۃٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَۃٍ"(۴۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لحیان کی ایک عورت کے جنین کے مقدمہ میں یہ فیصلہ دیا کہ غرہ یعنی تاوان ادا کیا جائے جو ایک غلام یا ایک لونڈی ہے۔"

احناف کے مطابق غُرّہ بطور استحسان واجب ہے۔ مرغینانیؒ (م ۵۹۳ھ) نے لکھا ہے:

"والقیاس أن لا یجب شیء لأنه لم یتیقن بحیاته والظاهر لا یصلح حجة للإستحقاق، وجه الإستحسان ما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال فی الجنین غرة عبد أو أمة قیمته خمس مائة و یروی أو خمس مائة فترکنا القیاس بالأثر" (۴۲)

مندرجہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قیاس کی رو سے اس پر کچھ واجب نہیں ہے کیونکہ جنین کی زندگی کا یقین نہیں ہے۔ ظاہر حال استحقاق کے لیے دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہاں استحسان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنین میں غرہ واجب ہے یعنی ایسا غلام جس کی قیمت پانچ سو درہم ہو، یہ بھی روایت کیا گیا ہے: یا پانچ سو درہم۔ پس ہم نے اثر یعنی حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

ایک اور فقیہ کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

"والقیاس أن لا شیء علی الضارب لأنه یحتمل أن یکون حیا وقت الضرب ویحتمل أنه لم یکن بأن لم تخلق فیه حیاة بعد فلا یجب الضمان بالشک" (۴۳)

اس فقہی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قیاس تو یہ کہتا ہے کہ جنین کو نقصان پہنچانے والے پر کوئی چیز واجب نہ ہو، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ نقصان پہنچتے وقت جنین زندہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ زندہ نہ ہو یعنی ابھی اس میں زندگی پیدا نہ ہوئی ہو۔ شک کے ہوتے ہوئے تاوان واجب نہیں ہوتا۔

اوپر درج حدیث [قَضَی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی جَنِیْنِ اِمْرَأۃٍ مِنْ بَنِی لِحْیَانٍ بِغُرَّۃٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَۃٍ] سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں: ایک یہ کہ جنین کے قاتل پر جو غُرّہ واجب ہے اس کی مالیت پانچ سو درہم ہوگی، اور دوسری بات یہ کہ استحسانًا جو غُرّہ واجب کیا گیا ہے وہ منصوص علیہ ہے اور منصوص علیہ پر عمل کرنا قیاس پر عمل کرنے سے اولیٰ ہے۔ فقہاء نے سنت کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا ہے۔ احناف کا دعویٰ ہے: **أنهم ترکوا القیاس بالسنة** (۴۴)، انہوں نے سنّت کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا ہے۔ زیر بحث صورت میں جنین کے نقصان پر غرہ سنّت سے ثابت ہے۔

ایک اور حدیث ہے جس میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہیں:

"أن امراتين كانتا تحت رجل من هُذَيل فضربت إحداهما الأخرى بعمود فقتلتها وجنينها فاختصما إلى النبي ﷺ، فقال أحد الرجلين: كيف ندِى من لا صاح ولا أكل ولا شرب ولا استهل، فقال: أَسَجْعٌ كَسَجْعِ الأَعْرَابِ، وقضى فيه بغرة وجعله على عاقلة المرأة"(۴۵)

"قبیلہ بنی ہذیل کے ایک شخص کی دو بیویاں تھیں۔ان میں سے ایک نے دوسری کو شہتیر کی لکڑی مار کر اسے قتل کر دیا اور اس کے پیٹ میں بچہ کو بھی قتل کر دیا۔فریقین اپنا مقدمہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔کسی نے کہا: ہم اس بچہ کی دیت کیوں دیں جو نہ چیخا چلایا، نہ کھایا پیا اور نہ رویا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیہاتیوں کے مسجع کلام کی طرح اپنے کلام کو مسجع کرتے ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غرہ دینے کا حکم دیا اور اسے مقتولہ کی عاقلہ پر واجب الاداء قرار دیا۔"

احناف مزید کہتے ہیں:

"لأن الجنين إن كان حيا فقد فوّت الضارب حياته وتفويت الحياة قتل وإن لم يكن حيا فقد منع من حدوث الحياة فيه فيضمن المغرور لما منع من حدوث الرق في الولد وجب الضمان عليه وسواء استبان خلقه أو بعض خلقه لأنه عليه السلام قضى بالغرة ولم يستفسر"(۴۶)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر جنین زندہ تھا تو مارنے والے نے اس کی زندگی کو فوت کر دیا اور کسی کی زندگی کو فوت کرنا قتل ہے۔اگر جنین زندہ نہیں تھا تو ضارب نے اس کی زندگی کے پیدا ہونے کا عمل منقطع کر دیا ہے، لہٰذا ضارب پر تاوان ہے۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جنین کی خلقت واضح ہوگئی تھی یا ابھی پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غرہ ادا کرنے کا حکم دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی وضاحت طلب نہیں فرمائی تھی۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے:

"إذا بعث السلطان إلى إمرأة أو رجل عند إمرأة ففزعت المرأة لدخول الرسل أو غلبتهم أو انتهارهم أو الذُعر من السلطان فأجهضت فعلى عاقلة السلطان دية جنينها إذا كان ما أحدثه الرسل بأمره" (۴۷)

اس فقہی عبارت کے مطابق اگر حکمران اپنے ہاں طلب کرنے کے لیے کسی عورت کو بلائے، یا اسے بلانے کے لیے اپنے سرکاری آدمیوں کو بھیجے، تو ان کے آنے پر، یا ان کے ڈانٹنے پر دہشت زدہ ہو کر، یا حکمران کے خوف وڈر کی وجہ سے عورت کا جنین ساقط ہو جائے تو اس کی دیت حکمران کی عاقلہ پر ہوگی، اگر سرکاری آدمیوں نے جو کچھ کیا وہ حکمران کے حکم سے ہو۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے کسی عورت کو بلوایا۔اس عورت سے کہا گیا کہ جاؤ حضرت عمرؓ کو

جواب دو۔ اس عورت نے خود کو کہا: تیری بربادی ہو، حضرت عمرؓ کو تیرے ساتھ کیا کام ہو سکتا ہے؟ وہ عورت ابھی راستہ میں تھی کہ اس پر دہشت طاری ہوگئی۔ اس نے بچہ جنم دیا جو دو چیخیں مار کر مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ حکمران ہیں اور آپ کو سزائیں دینے کا اختیار ہے۔ حضرت علیؓ خاموش تھے۔ حضرت عمرؓ کے کہنے پر حضرت علیؓ نے فرمایا:

"إن كانوا برأيهم فقد أخطا رأيهم، و إن كانوا قالوا في هواک فلم ينصحوا لک، أرى أن ديته عليک فإنک أنت أفزعتها و ألقت ولدها في سبيلک" (۴۸)

"یعنی اگر ان لوگوں نے اپنی رائے دی ہے تو ان کی رائے غلط ہے اور اگر انہوں نے ایسا آپ کی حمایت میں کہا ہے تو انہوں نے آپ کے ساتھ خیر خواہی نہیں کی۔ میری رائے یہ ہے کہ اس بچے کی دیت آپ پر ہے۔ وہ عورت آپ کی وجہ سے دہشت زدہ ہوئی اور اس نے آپ کی طرف آتے ہوئے راستہ میں بچہ گرا دیا۔"

اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ وہ اس کی دیت قریش پر تقسیم کر دیں۔

اسلامی قانون کے تحت جنین کی زندگی تلف کرنے پر مجرم دیت ادا کرے گا جو عاقلہ پر عائد ہوگی۔ عاقلہ سے مراد مجرم کا کنبہ اور برادری ہے۔ اس کے علاوہ اگر حرفت اور پیشہ کی بنیاد پر باہمی مدد کا رواج ہو تو وہ لوگ اسی پیشے کی وجہ سے ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہوں گے۔ اگر لوگوں میں باہمی تعاون کا معاہدہ ہو تو یہ بھی عاقلہ کی بنیاد بن سکتا ہے۔ تخفیف کے لیے عاقلہ پر دیت تین اقساط میں واجب ہوگی۔ تین سالوں کی یہ تقدیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اور حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔ مرغینانیؒ (م ۵۹۳ھ) نے اسی بات کو الهداية میں یوں لکھا ہے:

"لو كان اليوم قوم تناصرهم بالحِرف فعاقلتهم أهل الحِرفة، وإن كان بالحلف فأهله...... والتقدير بثلاث سنين مروى عن النبى عليه السلام و مَحكِي عن عمر" (۴۹)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ (م ۲۰۱۰ء) کے مطابق: شریعت نے قتل خطا میں دیت کا حکم دیا ہے۔ لیکن قتل خطا میں دیت وہ لوگ ادا کریں گے جو اس شخص کے پشت پناہ ہیں اور جن کی پشت پناہی کی وجہ سے اس آدمی نے اس بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان پر اجتماعی طور پر دیت ڈالی جائے گی۔ وہ اس طرح سے اجتماعی طور پر دیت ادا کریں گے کہ ان میں سے کسی فرد پر ناروا بوجھ نہ پڑے۔ تین سال کے عرصہ میں بالاقساط وہ دیت ادا کریں اور ہر شخص اتنا ادا کرے جتنا کہ وہ آسانی سے کر سکتا ہو۔ اس میں شریعت نے کوئی حد بندی نہیں کی کہ سالانہ کتنا لیا جائے اور ماہوار کتنا لیا جائے۔ یہ حالات پر چھوڑ دیا ہے۔ اصول یہ ہے کہ دیت کی رقم وہ لوگ اجتماعی طور پر ادا کریں جو اس شخص کو پشت پناہی فراہم کرتے ہیں۔ جن پر مان کی وجہ سے اس میں غیر ذمہ داری یا لاپرواہی کا احساس پیدا ہوا۔......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے شروع میں یہ

دیت قبائل ادا کیا کرتے تھے۔ قاتل کا قبیلہ ادا کرتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں جب قبائلی نظام کچھ متاثر ہوگیا اور مدینہ منورہ، کوفہ اور بصرہ جیسے شہروں میں مختلف قبائل کے لوگ آ کر آباد ہوگئے تو سیدنا عمر فاروقؓ نے دیوان کی بنیاد پر فیصلہ کیا کہ ایک سرکاری رجسٹر میں سپاہیوں کے نام لکھے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ ایک یونٹ یا دیوان کا جو مجموعہ ہوگا ان لوگوں سے دیت وصول کی جائے گی (۵۰)۔

دیت کو عاقلہ پر ڈالنے سے متعلق مرغینانیؒ (م۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

"ولنا قضية عمرؓ فإنه لمّا دوّن الدّواوين جعل العقل على أهل الديوان وكان ذلك بمحضر من الصحابة من غير نكير منهم وليس ذلك بنسخ، بل هو تقرير معنىً، لأن العقل كان على أهل النصرة وقد كانت بأنواع بالقرابة والحلف والولاء والعهد، وفي عهد عمرؓ قد صارت بالديوان فجعلها على أهله إتباعًا للمعنى" (۵۱)

مرغینانیؒ مندرجہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے: ہماری دلیل حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے رجسٹر مدون کیا تو آپ نے دیت کو اہلِ دیوان پر مقرر کر دیا۔ یہ سب حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہوا تھا۔ صحابہؓ میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی تھی۔ یہ نسخ نہیں ہے بلکہ یہ معناً اثبات ہے۔ اس لیے کہ دیت اہلِ نصرت پر واجب ہے۔ نصرت کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں: قرابت کی وجہ سے، معاہدہ کی وجہ سے، ولاء کی وجہ سے اور شمار کر لینے کی وجہ سے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں نصرت بالدیوان قائم ہوگئی تھی۔ یوں معنی کا اتباع کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے اہلِ دیوان پر دیت لازم کر دی تھی۔

جنین کے نسب کا تحفظ:

جنین کا نسب محفوظ کرنے کے لیے اسلام نے شرعی نکاح کے سوا کسی اور ذریعہ سے مرد و عورت کا جسمانی تعلق کو حرام قرار دیا ہے۔ ارتکابِ زنا پر سخت سزا نافذ کی گئی ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورت النور کی آیت ۲ میں موجود ہے۔ شادی شدہ زانی کو رجم اور غیر شادی شدہ زانی کو ایک سو کوڑوں جیسی سخت سزا مقرر کی ہے۔ اس جرم پر کوئی معافی نہیں ہے۔ اتنی سخت سزاؤں کا ایک بنیادی مقصد یہ ہے کہ جنین کا نسب محفوظ رہے۔ نکاح میں باپ جنین کا نسب اپنے سے منسوب ہونے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ نسب کی وجہ سے انسان کو معاشرتی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ یہ صرف نکاح ہے جس سے جنین کا نسب محفوظ رہ سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۲۳] "تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں۔"

لہٰذا بیوی کا رحم محلِ زراعت ہے اور نطفہ اس کھیتی کا بیج ہے۔ بیویوں سے جنم لینے والے بچوں کے نسب ان کے خاوندوں سے منسوب ہوں گے۔

جنین کا نسب مزید محفوظ کرنے اور اسے ہر قسم کے شک اور الزام سے بری کرنے کے لیے نکاح کے موقع پر دو گواہوں کی موجودگی کو نکاح کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لاَ نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِي وَشَاهِدَى عَدْلٍ'' (۵۲) ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الْبَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ'' (۵۳)

''زنا کرنے والی ہی عورتیں ہیں جو بغیر گواہوں کے اپنے نکاح کرتی ہیں۔''

گواہوں سے نکاح اور زنا میں فرق کر دیا گیا ہے۔ گواہوں سے جنین کا یہ حق محفوظ کیا گیا ہے کہ اس کے باپ اور ماں دونوں معلوم، متعین اور ثابت ہو سکیں۔

پھر اعلانِ نکاح یعنی ولیمہ وغیرہ سے لوگوں کو یہ بتا دیا جاتا ہے کہ مستقبل کے جنین کی اصل یعنی باپ اور ماں کون ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ'' (۵۴)

''اس نکاح کا اعلان کرو اور عقدِ نکاح مسجدوں میں کرو اور نکاح کے موقع پر دف بجاؤ۔''

اسی طرح طلاق یا خاوند کی موت کے سبب عورت کا عدت گزارنا لازم قرار دیا گیا ہے تا کہ جنین کے نسب کا تحفظ و تعین ہو سکے۔ ملاحظہ ہو قرآن مجید کی سورت البقرۃ آیات ۲۳۴، ۲۲۸، اور سورت الطلاق آیت ۴۔ ان تمام اہتمامات سے اسلام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ جنین کا نسب اپنے والد سے منسوب ہو۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ'' (۵۵) بچہ خاوند کا شمار ہوتا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔

جنین کے لیے باپ سے نسب کا حق اسی طرح ثابت ہے جیسے اسے باپ کی طرف سے نفقہ و خرچ کا حق حاصل ہے۔

جنین کے لیے نفقہ کا تحفظ:

جنین کے لیے ماں کا نفقہ پورا کرنا باپ کی ذمہ داری ہے۔ جنین کا یہ حق ہے کہ باپ اس کا تمام خرچہ و نفقہ برداشت کرے اور اسی حوالہ سے اس کی ماں کا نفقہ و خرچہ بھی پورا کرے۔

اگر عورت کو طلاق دی گئی ہے اور وہ حاملہ ہے تو اس کی خوراک، لباس اور رہائش کا مہیا کرنا خاوند پر واجب ہے۔ یہ نفقہ مطلقہ کے لیے نہیں بلکہ اس حمل کے لیے ہے اور یہ اس کی ولادت تک جاری رہے گا۔ اگر مطلقہ کا نفقہ بند ہو جائے اور بعد میں پتہ چلے کہ وہ حمل سے تھی تو خاوند پر گزشتہ ایام کا نفقہ واجب ہو گا۔

قران مجید کی ایک آیت میں ہے:

﴿وَإِنۡ كُنَّ أُوۡلَاتِ حَمۡلٍ فَأَنفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ﴾ [الطلاق ۶۵:۶]

''اور اگر وہ حاملہ ہیں تو ان پرخرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ کو جنم دے دیں۔''

مندرجہ بالا آیت حاملہ عورت کو اس کے حمل کی وجہ سے یہ حق دیتی ہے کہ اس کا نفقہ واجب ہے۔ حاملہ عورت کو طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن ہو یا وہ عورت بیوگی کی عدت گزار رہی ہو، حاملہ کو اس وقت تک نفقہ ملتا رہے گا جب تک وہ بچے کو جنم نہیں دے لیتی۔ قرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) نے لکھا ہے:

" لا خلاف بين العلماء في وجوب النفقة والسكنى للحامل المطلّقة ثلاثا أو أقل منهن حتى تضع حملها، فأما الحامل المتوفى عنها زوجها فقال عليؓ وابن عمرؓ وابن مسعودؓ وشريحؒ والنخعيؒ والشعبيؒ وحمادؒ وابن ليلىؒ وسفيانؒ والضحاكؒ: ينفق عليها من جميع المال حتى تضع، وقال ابن عباسؓ وابن الزبيرؓ وجابرؓ ومالكؒ والشافعيؒ وأبوحنيفةؒ وأصحابهم: لا ينفق عليها إلا من نصيبها" (۵۲)

مندرجہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ علماء میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حاملہ مطلقہ جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں یا اسے طلاق بائن یا طلاق رجعی دی گئی ہو، اس کے حق میں نفقہ اور رہائش واجب ہے۔ جہاں تک حاملہ بیوہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں دو فقہی آراء ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، قاضی شریحؒ، نخعیؒ، شعبیؒ حمادؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، سفیانؒ اور ضحاکؒ کی رائے ہے کہ میراث کے پورے مال میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا جب تک وہ بچے کو جنم نہیں دے لیتی۔ اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت جابرؓ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک میراث میں اس کا جتنا حصہ ہے اس میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا۔

دونوں فریقوں کے پاس اپنے اپنے موقف کے حق میں دلائل ہیں۔ اس بحث سے ہمارے موضوع کا تعلق نہیں ہے۔ مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ اسلامی قانون میں حاملہ مطلقہ اور حاملہ بیوہ دونوں کے نان ونفقہ اور رہائش کی ضمانت دیتا ہے جب تک کہ وہ بچے کو جنم دے نہیں لیتی۔ قرآن نے ان لوگوں کا تعین بھی کر دیا ہے جو حاملہ مطلقہ اور حاملہ بیوہ کے خرچہ اور رہائش کے ذمہ دار ہیں۔

البتہ قرآن اس سلسلہ میں ایک شرط عائد کرتا ہے اور وہ یہ کہ شوہر مطلقہ کو گھر سے باہر نہ نکالے اور اسی طرح مطلقہ کو بھی حکم ہے کہ شوہر کے گھر سے باہر نہ نکلے۔ حاملہ مطلقہ اور حاملہ بیوہ کو نفقہ اور رہائش اس صورت میں مہیا کیے جائیں گے جب تک وہ اپنے شوہر کے گھر سے باہر نہیں نکلتی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡ بُيُوۡتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ إِلَّآ أَنۡ يَأۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ وَمَنۡ

يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾[الطلاق ۶۵:۱]

''انہیں (مطلقہ بیویوں کو) ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو، اور نہ وہ خود گھروں سے نکلیں، سوائے اس کے کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ جس نے ان حدود سے تجاوز کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔''

حاملہ مطلقہ کا خرچہ ونفقہ شوہر کے مال سے ادا کیا جائے گا، جنین کے مال میں سے ادا نہیں کیا جائے گا۔ اس بارے میں حنفی فقیہ اور اصولی امام بصاصؒ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

''إتفق الجميع على أن الحمل إذا كان له مال كانت نفقة إمه على الزوج لا في مال الحمل'' (۵۷)

یعنی اگر جنین مال کا مالک ہے تو پھر بھی اس کی ماں کا خرچہ ونفقہ شوہر پر ہے۔ یہ نفقہ جنین کے مال میں سے ادا نہیں کیا جائے گا۔

جنین کی میراث کا تحفظ:

اسلامی قانون میں ولادت سے پہلے ہی انسان کا حق وراثت بھی محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ جنین کو وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر جنین کی ولادت سے قبل اس کا مورث انتقال کر جائے تو مورث کے ترکہ میں سے جنین کا حصہ بھی رکھا جائے گا۔ فقہاء کی ایک رائے کے مطابق ورثاء میں وراثت اس وقت تک تقسیم نہیں ہوگی جب تک متوقع پیدا ہونے والے کا حصہ نہ رکھ دیا جائے۔ ایک فقہی رائے یہ بھی ہے کہ ورثاء میں وراثت میں تقسیم نہیں کی جائے گی کیونکہ جنین کے بارے میں نہیں معلوم کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی اور ہم نہیں جانتے کہ جنین کا کتنا حصہ رکھا جائے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ (م ۲۰۱۰ء) نے ولادت سے قبل بچے کے حق میراث سے متعلق دلچسپ بات کہی ہے کہ جنین کو تقسیم میراث کے خلاف شریعت کا حکمِ امتناعی (Stay Order) حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''ایک شخص وفات پا جاتا ہے اور اس کی بیوہ کے ہاں چند ماہ بعد بچے کی ولادت ہونے والی ہے۔ اب اس مرنے والے کی جائیداد اُس وقت تک تقسیم نہیں ہو سکے گی جب تک اس میں اس نئے آنے والے بچے کا حصہ نہ رکھا جائے۔ بعض فقہاء کی رائے تو یہ ہے کہ ابھی سرے سے وراثت تقسیم نہیں کی جائے گی اور بچے کی پیدائش کا انتظار کیا جائے گا۔ اگر وہ لڑکا ہو تو لڑکے کا حصہ اس کو دیا جائے گا اور لڑکی ہو تو لڑکی کا۔ گویا ابھی بچے کی پیدائش نہیں ہوئی لیکن اس کی متوقع پیدائش کے عمل پر احکامِ فقہ کا اطلاق ابھی سے شروع ہو گیا، بالفاظ دیگر بچے نے اپنی پیدائش سے قبل ہی شریعت کا حکمِ امتناعی حاصل کر لیا اور وراثت کی تقسیم روک دی'' (۵۸)۔

فقیہ ابن نجیمؒ (م ۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:

''إذا مات الرجل عن إمرأة و إبنين وإدعت المرأة انها حامل تُعرض المرأة على إمرأة ثقة أو

إمرأتين حتى يتبين حملها فإن لم يقف على شيء من علامات الحمل يُقسم الميراث وإن وُقف على شيء من علاماته تربصوا حتى تلد ولا يُقسم الميراث"(۵۹)

مندرجہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر متوفی کی ایک بیوہ اور بیٹے ہوں اور بیوہ کہے کہ وہ حاملہ ہے تو ایک یا دو ثقہ عورتیں (جیسے لیڈی ڈاکٹر) معائنہ کر کے بتائیں گی کہ بیوہ حاملہ ہے یا نہیں۔ اگر حمل کی علامات نہ پائی جائیں تو میراث تقسیم کر دی جائے گی۔ اگر حمل کی علامات پائی جائیں تو میراث تقسیم نہیں کی جائے گی اور بچے کی ولادت تک تقسیم میراث کو روک لیا جائے گا۔

اگر حمل کی علامات پائی جائیں اور اس کا وجود یقینی ہو تو ایسی صورت میں جنین کے لیے کتنا حصہ روک لیا جائے، اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ابن نجیمؒ مزید لکھتے ہیں:

"إذا ترك الميت إمرأته حاملا أو غيرهما ممن يرثه ولدها وقف للحمل نصيب إبن واحد وهذا قول ابى يوسف، وعنه يوقف نصيب إبنين وهو قول محمد، لأن ولادة الإثنين معتادة، وعن أبى حنيفة أنه يوقف نصيب أربع بنين أو اربع بنات أيهما أكثر لأنه يتصور ولادة أربعة فى بطن واحد فيترك إحتياطا، والفتوى على الأول لأن ولادة الواحد هى الغالب والأكثر منه موهوم والحكم للغالب"(۶۰)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر متوفی کی بیوہ حاملہ ہو تو حمل کے لیے ایک بیٹے کا حصہ روک لیا جائے گا۔ یہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے۔ امام محمدؒ کے مطابق دو بیٹوں کا حصہ رکھا جائے گا، اس لیے کہ دو بچوں کی ولادت ہونا بھی عادت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ چار بیٹوں یا چار بیٹیوں کا حصہ روک لیا جائے گا، اس لیے کہ ایک عورت سے چار بچوں کی ولادت ممکن ہے، لہٰذا احتیاط کے طور پر اپنا اتنا حصہ روکا جائے گا۔ البتہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔ غالب طور پر ایک ہی بچے کی ولادت ہوتی ہے۔ ایک سے زیادہ کی ولادت موہوم ہے اور حکم غالب کے لیے ہوا کرتا ہے۔

اگر ورثاء مطالبہ کریں تو جنین کی ولادت کا انتظار کیے بغیر وارثوں کے درمیان ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا تاکہ انہیں مالی نقصان نہ ہو اور مالک اپنی ملکیت سے فائدہ اٹھا سکے۔ البتہ احتیاط کے طور پر ورثاء میں سے ایک کفیل لیا جائے گا تاکہ جنین کا حق ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔ جنین کا حصہ روک لیا جائے گا اور بقیہ وراثت دیگر شریک وارثوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔(۶۱)

حمل کو وراثت میں حصہ ملنے کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے:

"ولا يرث الحمل إلا بشرطين: ان يعلم انه كان موجودا حال الموت ويعلم ذلك بان تاتى به لأقل من ستة اشهر...... ان تضعه حيا" (۶۲)

مندرجہ بالا فقہی عبارت کی روشنی میں وہ دو شرطیں یہ ہیں:

۱۔مورث کی وفات کے وقت حمل موجود ہواور وہ مورث کی وفات کے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو،اور

۲۔وہ زندہ پیدا ہو۔حمل کا زندہ پیدا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اس کی اہلیتِ تملیک ثابت ہو جائے۔میت میں اہلیت تملیک ثابت نہیں ہوتی۔مردہ شخص کو کسی چیز پر حق ملکیت حاصل نہیں ہوتا ہے۔

جمہور فقہاء کے مطابق جنین پورا زندہ شکمِ مادر سے باہر آیا اور پھر مر گیا،تو اس کے لیے زندگی ثابت ہوگی،اس لیے کہ اہلیتِ تملیک پورے جسم کے لیے ثابت ہوتی ہے۔جبکہ فقہائے احناف کے مطابق اگر حمل کا اکثر حصہ زندہ شکمِ مادر سے باہر آ گیا اور پھر وہ مر گیا تو اس کی زندگی ثابت ہو جائے گی،اس لیے کہ اکثر پر کُل کا اطلاق ہوتا ہے۔ابن نجیمؒ نے لکھا ہے:

"الحمل يرث إن خرج أكثر وهو حي ثم مات، وإن خرج أقله وهو حي فمات لا يرث لأن انفصاله حيا من البطن شرط لإرثه والأكثر يقوم مقام الكل"(۶۳)

اگر جنین کو مجرمانہ فعل سے تلف کر دیا گیا تو مجرم پر جنین کی دیت واجب ہے۔جمہور فقہاء نے جنین کی دیت کو وراثت قرار دیا ہے۔لہٰذا مجرم کی طرف سے یہ دیت جنین کے وارثوں کو ملے گی۔البتہ امام مالکؒ (م۱۷۹ھ)، ربیعہؒ الرای (م۱۳۶ھ) اور امام لیثؒ (م۱۷۵ھ) کی رائے یہ ہے کہ جنین کی دیت صرف اس کی ماں کو ملے گی۔ان حضرات نے جنین کو ماں کے کسی عضو کے مشابہ قرار دیا ہے(۶۴)۔

جنین کے لیے وصیت:

جنین کے حق میں کسی معین چیز یا کسی نفع کی وصیت کرنا صحیح ہے۔وصیت بھی میراث کے مانند ہے۔جب جنین کے لیے وراثت جائز ہے تو اس کے لیے وصیت بھی جائز ہے۔امام سرخسیؒ (م۴۹۰ھ) لکھتے ہیں:

الوصية أخت الميراث وفي الميراث الجنين في البطن والمولود في الحكم سواء إذا انفصل حيا فكذلك في الوصية(۶۵)

امام سرخسیؒ کی اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے۔میراث میں جنین اور مولود بچہ دونوں کا ایک ہی حکم ہوتا ہے اگر جنین زندہ پیدا ہو،اسی طرح وصیت میں بھی ہے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ وصیت کے وقت حمل کا قطعی اور یقینی علم ہو۔یہ بھی علم ہو کہ اگلے چھ ماہ سے کم عرصہ میں شوہر والی عورت یا وہ طلاق رجعی گزار رہی ہو،اس کے ہاں جنین پیدا ہو جائے گا۔اس لیے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔اگر خاوند فوت ہو چکا ہو تو اس کی وفات کے دن سے دو سال کے اندر اندر بچے کی پیدائش ہو جائے۔

جنین کے لیے مدت کا اعتبار موصی کی وصیت کرنے کے وقت سے کیا جائے گا۔ایک رائے یہ ہے کہ موت کے وقت سے اس کا اعتبار ہوگا۔اگر وہ چھ ماہ سے زیادہ عرصہ بعد پیدا ہوا تو یہ احتمال ہے کہ وصیت کے وقت اس کا وجود نہیں

تھا۔معدوم کے لیے وصیت جائز نہیں ہے کیونکہ وصیت میں کسی کو مالک بنایا جاتا ہے اور معدوم کو مالک نہیں بنایا جاسکتا۔اس میں معدوم ہونے کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ ماں بعد میں حاملہ ہوئی تھی(٦٦)۔

احناف کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے(٦٧)۔اس کی دلیل میں حضرت عائشہؓ کا قول ہے:

"لا تزيد المرأة على حملها على سنتين قدر ظل المِغزَل"(٦٨)

"عورت کا حمل چرخہ کے تکلہ کو تیل لگانے کے برابر بھی دو سال سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔"

حضرت عائشہؓ کے مندرجہ بالا قول سے استدلال کی وجہ بیان کرتے ہوئے کاسانیؒ (م۵۸۷ھ) نے لکھا ہے:

"والظاهر انها قالت ذلك سماعاً من رسول الله صلى الله عليه وسلم، لأن هذا باب لا يُدرك بالراى والإجتهاد، ولا يُظن بها انها قالت جُزافاً وتخميناً فتعين السماع"(٦٩)

مندرجہ بالا عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ بظاہر حضرت عائشہؓ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہی ہو گی۔ایسی بات رائے اور اجتہاد سے معلوم نہیں ہوسکتی۔حضرت عائشہؓ کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے یہ بات محض اٹکل اور اندازے سے کہہ دی ہوگی۔لہٰذا اِس مسئلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کا سماع متعین ہے۔امام احمد بن حنبلؒ سے بھی مروی ہے کہ حمل کی اکثر مدت دو سال ہے۔یوں حنابلہ نے بھی حضرت عائشہؓ کے قول سے استدلال کیا ہے(٧٠)۔

حمل کی کم از کم مدتِ حمل چھ ماہ ہے(٧١)۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایسی عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس نے چھ ماہ بعد بچہ جنم دیا تھا۔حضرت عمرؓ نے عورت کو رجم کرنے کا ارادہ کیا۔حضرت علیؓ نے فرمایا:اس عورت پر رجم نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ [البقرة ۲:۲۳۳]

"مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔"

اور فرمایا:﴿وَحَمْلُهُ وَ فِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾[الاحقاف ۴۶:۱۵]

"اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہوتا ہے۔"

پس دو سال اور چھ ماہ کل تیس ماہ ہو گئے، اس لیے یہ عورت رجم نہیں کی جائے گی۔حضرت عمرؓ نے عورت کو چھوڑ دیا۔اس نے دوسری مرتبہ پھر اتنی ہی مدت بعد بچے کو جنم دیا تھا(٧٢)۔

ایسا ایک قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے جو آپ نے ایسے ہی ایک مقدمہ میں حضرت عثمانؓ کو کہا تھا(٧٣)۔

عاصم الأحولؒ (م۱۴۱ھ یا ۱۴۲ھ) نے عکرمہؒ (م۱۰۷ھ) سے کہا:ہمیں یہ پہنچا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایسا کہا

ہے۔عکرمہؒ نے جواب دیا: حضرت ابن عباسؓ کے سوا کسی نے یہ قول نہیں کہا(۷۴)۔

جنین کے مال کی حفاظت:

اگر جنین کا کوئی مال ہے تو اسے محفوظ بنانے کے لیے نگران مقرر کیا جاسکتا ہے۔البتہ اس نگران کے اختیارات محدود ہیں۔اسے جنین کی طرف سے اس کے مال میں کسی قسم کا حقِ تصرف حاصل نہیں ہے۔مثلاً وہ مال کو کسی کاروبار میں نہیں لگائے گا۔جنین کے مال میں سے کسی کو تحفہ نہیں دے سکتا۔رشتہ داروں کا کوئی خرچہ ونفقہ اس مال میں سے ادا نہیں کیا جائے گا۔یہ اس لیے ہے کہ رحمِ مادر میں انسان کا حق ملکیت یقینی طور پر نہیں بلکہ احتمالی طور پر ثابت ہوتا ہے۔مزید یہ کہ شریعت اسلامی رحمِ مادر میں جنین پر کوئی فرض عائد نہیں کرتی۔

جنین کے حق میں اقرار:

جنین کے حق میں اقرار صحیح ہے۔جس طرح جنین کے حق میں وراثت اور وصیت جائز ہے اسی طرح اس کے حق میں اقرار بھی درست ہے۔مثلاً کوئی شخص یہ کہے: میرے پاس یا مجھ پر اس جنین کے لیے وراثت یا وصیت میں سے فلاں فلاں ہے۔البتہ یہ ضروری ہے کہ اقرار کے وقت جنین کے وجود کا احتمال ہو۔کاسانیؒ (م۵۷۸ھ) نے لکھا ہے:

"أما الذی یرجع إلی المقر له فنوع واحد وهو أن یکون معلوما موجودا کان أو حملا...... ولو قال لحمل فلانة علیّ الف دراهم فان بیّن جهة یصح وجوب الحق للحمل من تلک الجهة بأن قال المقر: اوصَی بها فلان له أو مات أبوه فورثه صح الإقرار لأن الحق یجب له من هذه الجهة فکان صادقاً فی إقراره فیصح" (۷۵)

اس عبارت میں کاسانیؒ نے صراحت کی ہے کہ مقرلہ کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ معلوم ہو، خواہ وہ موجود ہو یا حمل ہو......اگر کوئی شخص یہ کہے: فلاں عورت کے جنین کے لیے مثلاً ایک ہزار روپے مجھ پر ہے، تو ایسا اقرار صحیح ہے۔البتہ یہ ضروری ہے کہ مقر ایسی وجہ بیان کرے جس سے جنین کا حق اس پر واجب ہونا درست مانا جائے۔مثال کے طور پر مقر یہ کہے: فلاں شخص نے جنین کے حق میں یہ وصیت کی ہے، یا یہ کہ اس کا باپ فوت ہوگیا ہے اس لیے جنین متوفی کا وارث ہے۔ایسی صورت میں یہ اقرار صحیح ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ اسلامی شریعت نے انسان کو اس کی ولادت سے قبل ہی متعدد حقوق سے نوازا ہے۔ان حقوق کو قانونی حیثیت دے کر ان کے تحفظ کی ضمانت بھی فراہم کردی گئی ہے۔ان میں سے کئی حقوق ایسے ہیں جو رحمِ مادر میں انسانی تخلیق کے مراحل مکمل ہونے کے لیے ضروری ہیں۔یوں شریعتِ اسلامیہ انسان کی پہلی دنیا یعنی رحمِ مادر میں اسے کئی حقوق اور مفادات نہ صرف عطا کرتی ہے بلکہ انہیں یقینی بھی بناتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ROE v. WADE, 410 U.S. 113, 93. Ct. 705, 35 L. Ed. 2d 147

۲۔ US Supreme Court January 22, 1973. Roe v. Wade. Justice Blackmun opinion

۳۔ Rosen, Judith C. A Legal Perspective on the Status of the Fetus. Centerline Press, California 1990, PP.29-50

۴۔ ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم افریقی مصری (م۷۱۱ھ)، لسان العرب، حرف النون، فصل الجیم ۹۲/۱۳،۹۳، دار صادر بیروت

۵۔ آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود (م۱۲۷۰ھ)، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المبانی ۱۶۳/۳، دارۃ الطباعۃ المنیریۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان

۶۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر (م۳۱۰ھ)، جامع البیان فی تفسیر القرآن، المجلد ۱۰، الجزء ۲۳، ص ۱۲۵، دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰م

۷۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م۲۵۶ھ)، صحیح بخاری، کتاب الأنبیاء، ۴۹۳/۳، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار لاہور ۱۹۷۹ء

۸۔ نووی، محی الدین یحیٰی بن شرف (م۶۷۶ھ)، المجموع شرح المہذب ۴۲۳/۱۶۔ دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع

۹۔ مسلم بن الحجاج (م۲۶۱ھ)، صحیح، کتاب النکاح، باب جواز الغیلۃ وھی وطی المرضع وکراھۃ العزل ۶۱/۴، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور

۱۰۔ حوالہ بالا ۶۱/۴

۱۱۔ المجموع شرح المہذب لأبی إسحاق شیرازی (م۴۷۶ھ) ۴۲۲/۱۶، دارالفکر بیروت

۱۲۔ إبن ماجہ، سنن، کتاب النکاح، باب العزل ۱۵۰/۲، اھل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاھور

۱۳۔ بدائع الصنائع ۳۳۴/۲، دارالکتاب العربی بیروت ۱۹۸۲م

۱۴۔ المجموع شرح المہذب ۴۲۲/۱۶

۱۵۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی (م۲۷۵ھ)، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب ما جاء فی العزل ۱۴۴/۲، دارالاشاعت اردو بازار کراچی۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل ۵۸/۴،۵۹

۱۶۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل ۵۹/۴،۶۰

۱۷۔ سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فی تزویج الأبکار

۱۸۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی رازی (م۳۷۰ھ)، احکام القرآن ۲۹۵/۳، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴م

۱۹۔ احکام القرآن ۶۹۲/۳

۲۰۔ مسلم، صحیح، کتاب القدر، ۲۵۱/۶،۲۸۲، نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور ۱۹۸۱ء

۲۱۔ حوالہ بالا ۲۸۲،۲۵۱/۶

۲۲۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن، جلد ۲، ص ۲۷۰

۲۳۔ حوالہ بالا

۲۴۔ بغوی، ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء (م ۵۱۶ھ)، تفسیر البغوی المسمی معالم التنزیل، ج ۱، جزء ۲، ص ۲۰۴، ۲۰۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہر گیٹ ملتان

۲۵۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن، جلد ۲، ص ۱۲۷

۲۶۔ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری (م ۶۷۱ھ)، الجامع لأحکام القرآن ۱۱۹/۳، انتشارات ناصر خسرو، طہران ایران ۱۹۶۵ء

۲۷۔ بخاری، صحیح، کتاب الدیات، باب جنین المراۃ ۶۶۷/۳

۲۸۔ مالک بن انس (م ۱۷۹ء) الموطا، کتاب الحدود، باب ما جاء فی الرجم ص ۵۹۷، اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور

۲۹۔ وھبۃ الزحیلی، الفقہ الإسلامی و أدلتہ ۴۷،۴۴/۶، دارالاشاعت کراچی ۲۰۱۲ء

۳۰۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)، جامع ترمذی، ابواب الفرائض، باب ما جاء فی ابطال میراث القاتل ۷۴۷/۱، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور

۳۱۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب الجنائز، باب النھی عن کسر عظام المیت ۶۶۲/۱، اھلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاھور] مزید دیکھیں: [سنن ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب فی الحفّار یجد العظم ھل یتنکب ذلک المکان ۵۲۲/۲، دارالاشاعت کراچی]،

۳۲۔ ابن قدامہ، موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد (م ۶۲۰ھ)، المغنی ۵۵۱/۲، ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان، القاھرۃ ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

۳۳۔ ابو داؤد، سنن، کتاب الاشربۃ، باب ما جاء فی السکر ۱۰۰/۳

۳۴۔ ترمذی، جامع، ابواب الصوم، باب ما جاء فی الرخصۃ فی الافطار للحبلی والمرضع ۲۷۰/۱

۳۵۔ المغنی ۳۱/۷

۳۶۔ الموطا، کتاب الحدود، باب ما جاء فی الرجم ص ۵۹۷

۳۷۔ المغنی ۷۹۹/۷۔ بدائع الصنائع ۳۲۵/۷۔ بدایۃ المجتھد و نھایۃ المقتصد ۳۱۱/۲ ومابعد

۳۸۔ ابو داؤد، سنن، کتاب الفرائض، باب فی المولود یستھل ثم یموت، ۴۰۷،۴۰۶/۲، دارالاشاعت کراچی

۳۹۔ ابن رشد، ابوالولید محمد بن احمد بن محمد قرطبی اندلسی (م ۵۹۵ھ)، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد ۳۱۲/۲، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ دارالتذکیر اردو بازار لاہور

۴۰۔ کاسانی، علاء الدین ابوبکر بن مسعود (م ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۳۲۵/۷، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

۴۱۔ مسلم، صحیح، کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات ۳۱۳/۴

۴۲۔ مرغینانی، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، المکتبۃ الإسلامیۃ ۱۸۹/۴

۴۳۔ بدائع الصنائع ۷/۳۲۵، دارالکتاب العربی بیروت

۴۴۔ حوالہ بالا ۷/۳۲۵

۴۵۔ سنن ابو داؤد، کتاب الدیات، باب دیۃ الجنین ۳/۴۰۰

۴۶۔ بدائع الصنائع ۷/۳۲۵

۴۷۔ شافعی، محمد بن ادریس (م ۲۰۴ھ)، الأم ۶/۹۴، دارالفکر بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔ مزید دیکھیں: المجموع شرح المهذب ۱۹/۱۱۔ المغنی ۱۲/۱۰۱

۴۸۔ عبدالرزّاق، ابوبکر بن ہمام صنعانی (م ۲۱۱ھ)، المصنّف، کتاب العقول، باب من افزعه السلطان ۹/۴۵۸-۴۵۹، المجلس العلمی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰م

۴۹۔ مرغینانی، برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی (م ۵۹۳)، الهداية شرح بداية المبتدی، المكتبة الإسلامية ۴/۲۲۵

۵۰۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر (م ۲۰۱۰ء)، محاضرات فقہ، ص ۴۲۳، ۴۲۴، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور

۵۱۔ الهداية شرح بداية المبتدی ۴/۲۲۵

۵۲۔ السنن الكبرى، كتاب النكاح، باب لا نكاح إلا بشاهدين عدلين، حديث رقم ۱۴۰۸۸۔

۵۳۔ جامع ترمذی، أبواب النكاح، باب ما جاء لا نكاح إلا ببينة ۱/۳۹۳

۵۴۔ حوالہ بالا ۱/۳۸۷

۵۵۔ الموطا، كتاب الرهن، باب القضآء بالحاق الولد بابيه ص ۵۳۸

۵۶۔ الجامع لأحكام القرآن ۱۸/۱۶۸

۵۷۔ أحكام القرآن ۳/۶۱۴، ۶۱۵

۵۸۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر (م ۲۰۱۰ء)، خطبات بہاولپور (۲): اسلام کا قانون بین الممالک ص ۲۳، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۰۷ء

۵۹۔ ابن نجیمؒ، زین العابدین حنفی (م ۹۷۰ھ)، البحر الرائق شرح كنز الدقائق للإمام حافظ الدين النسفی (م ۷۱۰ھ)، ۸/۵۷۴، ۵۷۵، المطبعة العلمية بجوار الأزهر بالقاهرة

۶۰۔ البحر الرائق شرح كنز الدقائق ۸/۵۷۴

۶۱۔ المغنی ۶/۳۱۳

۶۲۔ حوالہ بالا ۶/۳۱۶

۶۳۔ البحر الرائق شرح كنز الدقائق ۸/۵۷۴

۶۴۔ بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۲/۳۱۲۔ بدائع الصنائع ۷/۳۲۶

۶۵۔ سرخسیؒ، محمد بن احمد بن ابی سہل (م ۴۹۰ھ)، المبسوط ۲۸/۷۷، دارالفکر بیروت لبنان ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰م

۶۶۔ المغنی ۶/۵۶

۶۷۔ کاسانی، علاء الدین ابوبکر محمد بن مسعود (م ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع ۳/۲۱۱، المکتبۃ الحبیبیہ، کانسی روڈ کوئٹہ پاکستان

۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

۶۸۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین بن علی (م ۴۵۸ھ)، السنن الکبریٰ، کتاب العدد، باب ما جاء فی اکثر الحمل ۷/۴۴۳، دار الفکر

۶۹۔ بدائع الصنائع ۳/۲۱۱

۷۰۔ المغنی ۱۱/۲۳۲

۷۱۔ المغنی ۱۱/۲۳۱۔ الأم ۵/۲۳۸۔ بدائع الصنائع ۳/۲۱۱

۷۲۔ ملاحظہ ہو: السنن الکبریٰ، کتاب العدد، باب ما جاء فی اقل الحمل ۷/۴۴۲۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب التی تضع لستة اشهر ۷/۳۵۰

۷۳۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب التی تضع لستة اشهر ۷/۳۵۱۔ مزید ملاحظہ ہو: السنن الکبریٰ، کتاب العدد، باب ما جاء فی اقل الحمل ۷/۴۴۲

۷۴۔ المغنی ۱۱/۲۳۲

۷۵۔ کاسانیؒ، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷/۲۲۳، دار الکتاب العربی بیروت لبنان ۱۹۸۲م